© rasailojaraid.com

سے پہلے مسلم لیگ کی تحریک کے سخت بحران وجوش کے باعث، دوسرے مسلم نیشلسٹ اکابر کی طرح خان بہادر صاحب کو شدید اذیتوں اور تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑا تاہم انھوں نے یہ سب کچھ برداشت کیا اور ان کے خیال اور روش میں کوئی تبدیلی پیدا نہیں ہوئی، ارکان ندوۃ المصنفین کے ساتھ ذاتی تعلق کے علاوہ شروع سے ادارہ کے محسن رہے، تقسیم کے وقت جب ادارہ لٹ لٹا کر تباہ و برباد ہو گیا، ارکان ادارہ بے خانماں اور بے سروسامان ہو چکے تھے اور ادارہ کے دوبارہ قائم اور جاری ہونے کی بہ ظاہر کوئی امید باقی نہیں رہی تھی تو اس وقت مولانا مفتی عتیق الرحمٰن عثمانی کو جنھوں نے ان سخت مایوس کن حالات میں بھی ادارہ کو از سرِ نو قائم کرنے کا عزم بالجزم کر لیا تھا سب سے بڑی تقویت خان بہادر صاحب مرحوم کی حوصلہ افزائی اور فیاضانہ امداد سے ہی ہوئی، وہ ندوۃ المصنفین کے کاموں کے بڑے قدردان تھے، برہان اور ادارہ کی مطبوعات کا مطالعہ بڑے شوق سے کرتے تھے، اخلاق و عادات کے اعتبار سے بڑے خوش طبع، مرنجاں مرنج، ہمدرد اور متواضع تھے، اب ایسے وضعدار کہاں ملیں گے، ان کا حادثۂ وفات خود ندوۃ المصنفین کیلئے ایک عظیم سانحہ ہے ادارہ اس حادثۂ فاجعہ میں مرحوم کے پسماندگان کا دل سے شریکِ غم ہے، اللہ تعالیٰ مرحوم کو جنت الفردوس میں ابرار و صلحا کا مقام جلیل عنایت فرمائے اور انکی قبر ٹھنڈی رکھے۔

افسوس ہے اسی ہفتہ ڈاکٹر مصطفےٰ احسن صاحب علوی کا حادثۂ وفات بھی پیش آگیا اسوقت ان کی عمر ۸۷ برس کے لگ بھگ تھی، ان کا اصل وطن کاکوری تھا۔ اردو زبان کے مشہور نعت گو جناب محسن کاکوروی کے خاندان سے تعلق رکھتے تھے، دار العلوم دیوبند کے فارغ التحصیل تھے، حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ سے حضرت شیخ کے درس بخاری کے آخری سال میں، دورۂ حدیث کی تکمیل کی تھی، اور اسکے بعد حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے دیوبند کی جامع مسجد میں ان کو دستارِ فضیلت عطا فرمائی تھی، اس حیثیت سے وہ غالباً حضرت شیخ الہند کی بزم تلامذہ کے آخری چراغ تھے، اب تو دیوبند سے فارغ التحصیل ہونے کے بعد اعلیٰ انگریزی تعلیم حاصل کرنے والے کثرت سے نظر آتے ہیں، لیکن غالباً مرحوم پہلے شخص تھے جنہوں نے دار العلوم دیوبند

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

سے باقاعدہ فارغ ہونیکے بعد انگریزی تعلیم شروع کی لکھنؤ یونیورسٹی سے ایم۔ اے کرکے پی۔ ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کی، اسکے بعد وہ ایک عرصہ تک لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ علوم مشرقیہ سے منسلک رہے آخر میں چند برس شعبۂ عربی میں بھی کام کیا، عربی بولنے اور لکھنے کا بڑا شوق تھا شعر و شاعری کا ذوق موروثی تھا، لکھنؤ کی زبان اور اسکے رنگ میں غزلیں لکھتے، اور ترنم سے پڑھ کر ارباب ذوق سے داد لیتے تھے، تصنیف وتالیف کا بھی ذوق تھا۔ ان کی آخری کتاب "عقائد بدر و احد" تھی جس پر بہار اردو اکیڈمی نے انعام دیا تھا، علاوہ ازیں عرصہ ہوا ان کو صدر جمہوریہ کی طرف سے عربی کا ایوارڈ بھی ملا تھا، دارالعلوم دیوبند سے بڑی محبت تھی۔ اسکی مجلس شوریٰ کے ممبر عرصہ دراز سے تھے اور پابندی سے اسکے جلسوں میں شرکت کرتے تھے، مگر ادھر چند برس سے بتقاضائے عمر ضعف ونقاہت کے باعث شوریٰ کے جلسوں میں شرکت کا معمول نہیں رہا تھا۔ عجب اتفاق ہے مارچ ۸۰ء میں جو اجلاس صد سالہ ہوا اس میں دیوبند آئے اور پھر اسکے بعد ۱۲ اکتوبر کو مجلس شوریٰ کا جو جلسہ ہوا تو وہ اسمیں بھی شریک ہوئے، ایسے موقع پر حضرت شیخ الہند کے آخری تلمیذ سمجھ کر طلباء ان کے پاس کثرت سے آتے اور ان کی زبانی اکابر دیوبند کے واقعات سنتے تھے، طلباء حسب معمول اس مرتبہ بھی انکے کمرہ میں جمع ہوئے تو ان سے بولے، بچو! آفتاب عمر لب بام ہے، پتہ نہیں اب آئندہ کبھی میں دیوبند آ بھی سکوں گا یا نہیں، اسلئے تم مجھ سے درس حدیث لے لو تاکہ میں تم کو اپنی سند دے دوں۔ چنانچہ انھوں نے یہی کیا، دو چار حدیثیں بخاری کی پڑھیں اور طلباء کو اسناد کی اجازت دیدی، طبعاً بڑے خلیق، شگفتہ مزاج، وضعدار و بامروت انسان تھے۔ لکھنؤ کے شرفا کے اوصاف وکمالات کے حامل تھے، خاتمہ بھی عجیب وغریب طریقہ پر ہوا، ۲۶ نومبر ۸۰ء کو عصر کی نماز ادا کرتے کرتے سجدہ میں گئے تو پھر سر اٹھانا نصیب نہ ہوا، جان جان آفرین کے سپرد کردی، دوسرے دن نماز جنازہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور تدفین وطن کاکوری کے خاندانی قبرستان میں ہوئی۔ اللھم اغفر لہ وارحمہ۔

© rasailojaraid.com